خوابِ شیریں

حضرت میاں صاحب سیّد اصغر حسین رحمہ اللہ کے قلم حقیقت رقم سے

ایک دلچسپ واقعہ جس میں سمجھنے والوں کے لیے
بہت کچھ عبرت کا سامان ہے

ادارۂ اسلامیات
۱۹۰ — انارکلی — لاہور

خوابِ شیریں

چودھویں رات کے چاند کے نظارہ کی دلچسپی نواحِ دہلی کے رہنے والے حامد، زاہد، ذاکر تین نوعمر شریف لڑکوں کو جمنا کے اس کنارہ پر لے گئی جس کے بعد کئی میل تک صاف میدان اور خوشنما سبزہ زار ہے۔ کچھ دیر تک تو اس چھٹکی ہوئی چاندنی میں باہمی کھیل کود اور مسرت آمیز صحبت کا لطف اُٹھاتے رہے لیکن آدھی رات کے قریب جوانی کی نیند کے غلبہ نے اُن کو سبز سبز گھاس پر لٹا دیا، ابھی دو ہی منٹ گذرے ہوں گے کہ حامد کو سیر و سیاحت کے شوق اور صحرانوردی کے خیال نے یہاں سے ہزاروں کوس دور ایک غیر معلوم اور نادیدہ مقام میں پہنچا دیا، سنسان، نہ آدمی کا نشان، ویران سنگستان، چار طرف پتھروں کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ ہاں کہیں کہیں خدا تعالیٰ کے وہ فرشتے جو اُس کے حکم کی تعمیل کے لئے جا بجا رہتے ہیں بعض خاص نظروں کو دُور دُور نظر آتے ہیں یا ایک بہت تنگ و تاریک جانب سے اُن جنّات و شیاطین کی آوازیں آکر ڈرا دیتی ہیں جو ایسے ویران مقامات کو دلچسپی کے ساتھ پسند کرتے ہیں۔

حامد یہاں ایسے وقت پہنچا کہ آفتاب کسی اپنے محبوب کو خواب میں دیکھنے کی آرزو میں سو رہنے کے لئے جگہ تلاش کرتا ہوا مغربی پہاڑوں میں سر چھپا کر پڑ رہنے والا تھا۔ حامد نے چار طرف نظر دوڑائی مگر اُونچی اونچی پہاڑی پتھروں کے سوا آدمی کی صورت نظر نہ آئی شمالی جانب بہت سے فرشتے نظر پڑتے تھے لیکن یہ اُن سے کچھ کہہ نہ سکتا تھا، یہ کھڑا ہوا کچھ سوچ ہی رہا تھا کہ مشرقی جانب سے

ایک پرجوش عربی لہجہ میں اللہ اکبر اللہ اکبر کی صدا نے چونکا دیا، اذان کا ختم ہونا تھا کہ چار طرف سے فرشتے اور جنات آنے شروع ہوئے ۔ چھوٹی بڑے قد نئی نئی صورتیں سب نے میدان میں صف باندھی اور دفعتہً ایک شخص آکر امام بن گیا ۔ باقاعدہ نماز پڑھی گئی ۔ مگر نماز ختم ہوتے ہی سب نظروں سے پوشیدہ ہوگئے ۔ حامد کو یہ بھی خبر نہ ہوئی کہ امام کوئی جن تھا یا فرشتہ ۔ حامد نماز پڑھکر ایک پتھر سے کمر لگا کر بیٹھ گیا ۔ تمام دن کا تھکا ہوا تھا، غنودگی آئی اور سرک کر لیٹ گیا نہ بستر کی حاجت ہوئی نہ تکیہ کا خیال آیا ؎

دشتِ غربت میں نہ تکیہ ہی ملا نے بستر
سو گئے سر کے تلے ہاتھ ہم اپنا رکھ کر

نہ تنہائی کا غم رہا نہ جنات کا خوف ایسا چین سے سویا کہ آدھی رات تک کروٹ بھی نہ بدلی ۔ آدھی رات کے بعد جنات کی مہیب آواز نے کسی قدر چونکایا مگر آنکھیں کھول کر دیکھا اور پھر سر رکھ کر سو گیا ۔ لیکن ایک گھنٹہ کے بعد ایک ضعیف آواز حامد کو پوری طرح ہوشیار کرنے کے لئے کافی ہوگئی جو انسانی آواز معلوم ہوتی تھی جس میں بار بار ان شعروں کو نہایت پُر درد لہجہ میں دُہرایا جا رہا تھا ؎

مبادکس چو من خستہ مبتلائے فراق — کہ عمر من ہمہ بگذشت در بلائے فراق
اے خوش آندم کہ بروئے تو نظر باز کنم — خویش را گرم نیازت کنم و ناز کنم

حامد نے غور کر کے کان لگایا تو بائیں جانب قریب ہی کسی غمگین کی صدا تھی مگر کوئی نظر نہ آتا تھا ۔ تھوڑی دیر کے بعد آواز بند ہوگئی ۔ آواز کے لطف و خیال میں تو حامد کو اپنی حالت پر غور کرنے کا دھیان بھی نہ آیا ۔ لیکن اب دیکھتا ہے کہ

بالکل تنہا ایک ایسے کوہستان میں پڑا ہے جہاں دن کو بھی پتا پانی ہوتا ہے شام کے وقت جو فرشتوں کی متبرک آواز آجاتی تھی وہ بھی اب نہیں البتہ جنات کی نامانوس اور دل دہلا دینے والی صدائیں برابر آ رہی ہیں۔ چرند، پرند سب خاموش ہیں چاند بھی رات ہی رات میں آسمان کا بہت سا حصّہ طے کرکے درمیان میں آکر پوری طرح حامد کے مقابل ہو کر ٹکٹکی لگائے ہوئے اس کی بیکسی کی حالت کو دیکھ رہا ہے چار طرف پتھروں پر چھٹکی ہوئی چاند کی نورانی چادر پھیلی ہوئی ہے اور حامد ایک پتھر پر سر رکھے ہوئے تنہا پڑا ہوا ہے اس حالت کو خیال کرکے عزیب خوف سے کانپنے لگا اور قریب تھا کہ چیخ مارے کہ فوراً ہی اُس سچے خیال نے آکر اُس کی دستگیری کی اور ڈھارس بندھائی جو ہر ایک مومن کے دل چھپا رہتا ہے کہ

"حامد ڈرنا کیسا تیرا پروردگار تیرے ساتھ ہے۔ جب تک اُس کی مدد اور حفاظت ہے کوئی چیز تجھ کو ضرر نہیں دے سکتی۔ کیا مرنے سے ڈرتا ہے۔ موت تو ایک لمحہ آگے پیچھے نہیں ہوسکتی"۔

اب حامد کی کسی قدر تسلّی ہوگئی۔ وہ کبھی آنکھیں کھول کر اس دلچسپ مگر وحشتناک منظر کو دیکھ لیتا اور کبھی بند کئے لیٹا رہتا۔ اسی طرح ایک گھنٹہ گذرا ہوگا کہ اللہ اکبر اللہ اکبر کی وہی دلکش آواز تھوڑی دور پر بلند ہوئی۔ صبح کے سہانے وقت اور خاموشی کے عالم میں اس سچّی آواز نے صرف حامد ہی کے دل پر خاص اثر پیدا کرکے وجد کی حالت نہیں بنادی بلکہ تمام چیزوں میں ایک خاص کیفیت پیدا کردی کہیں کہیں جو دو چار درخت تھے اُن پر جانوروں نے بھی سُبّوحٌ قدوسٌ کی تسبیح شروع کردی جنات کی مہیب آوازیں بھی بند ہوگئیں اور فرشتوں کے

پروں کی آواز آنے لگی - حامد بھی سیدھا ہو بیٹھا سوچتا تھا کہ اِس ویران سنگلاخ میں پانی کا نشان نہ ہوگا - لیکن ایک طرف کو نظر اٹھا کر دیکھا تو بہت سے فرشتے جمع ہو رہے تھے یہ ڈرتا دو چار قدم اُدھر کو بڑھا تو وہ سب اِدھر اُدھر ہو گئے اور آگے بڑھا تو نہایت صاف و شفاف پانی کا ایک مختصر سا چشمہ نظر پڑا - حامد نے پاس جا کر وضو کیا فرض ادا کرنے کے ارادہ ہی میں تھا کہ چار طرف سے فرشتے اور جنات آ کر صف باندھتے ہوئے معلوم ہوئے حامد بھی لپک کر گیا تو امام نے نماز شروع کر دی تھی، قرآن مجید پڑھنے کی آواز کو غور سے خیال کیا تو یہ انسان ہی کی آواز تھی اور اُس رات والی غمگین آواز سے نہایت مشابہ نماز ختم ہوئی تو سب نظروں سے غائب ہو گئے - حامد آفتاب کا منتظر رہا - جب مشرق کی جانب سے آفتاب کا وہ ہشاش بشاش چہرہ نظر آیا جو رات بھر اپنے محبوب کو خواب میں دیکھ دیکھ کر نہایت مسرت کی حالت میں بیدار ہوا ہے تو حامد اپنی جگہ سے اُٹھ کر اِدھر اُدھر ٹہلنے لگا - اِنہیں پتھروں میں ایک تنگ سی جگہ میں کسی آدمی کے رہنے کے آثار نظر آئے ایک چٹائی پر کچھ کپڑے رکھے ہوئے دیکھے آگے کو گیا تو وہیں چٹائی پر ایک آدمی بیٹھا ہوا نظر آیا جو غمگین اور اُداس صورت بنائے ہوئے بالکل خاموش بیٹھا تھا - اِس ویران سنگستان میں آدمی کی صُورت دیکھ کر حامد بہت ہی متعجب ہوا اور پاس جا کر سلام کیا - اُس غمزدہ صورت نے بہت ہی بے تکلفی سے کہا کہ آئیے بیٹھ جائیے - حامد بیٹھ گیا اور نیچی نگاہ کئے ہوئے چار طرف دیکھنے لگا - دو چار پُرانے کپڑے اِدھر اُدھر لٹک رہے تھے - پانی کے برتن ٹوٹے پھوٹے پڑے تھے فقیر نے نام، مقام اور یہاں آنے کا سبب پوچھا - حامد کیا کہتا! نام اور وطن بتلا کر کہنے

دیکھا کہ قسمت لے آئی ؛

دہلی کا نام سن کر غمزدہ درویش کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور ٹھنڈی سانس بھر کر کہا کہ کبھی ہم بھی اُسی خاک پاک پر رہتے تھے ؎

داغِ مرا سوادِ وطن مشک سودہ است
یارب کسے مباد بایں داغ مُبتلا

حامد تم تو میرے ہم وطن ہو آرام سے بیٹھو - ایک چٹائی ڈال کر حامد کو اچھی طرح بٹھلایا اور خود کچھ عرقِ حیرت سا ہو کر ایسا بے خود ہوا کہ گھنٹہ بھر کے بعد ہوش آیا معلوم نہیں کیا حالت تھی وطن کی یاد تھی یا کوئی خدائی ولولہ! اس کے بعد حامد سے بڑی مہربانی سے باتیں کیں اور پھر باتوں ہی میں حامد کے یہاں تک پہنچنے کی صورت دریافت کی - اب حامد نے بشوقِ صحرا نوردی یہاں پہنچنے کا حال اور واپس جانے کے لئے پریشانی ظاہر کی - غمزدہ نے اطمینان دلا کر کہا کہ کچھ اندیشہ نہیں تم خیریت سے مکان پر پہنچ جاؤ گے - غمزدہ پھر اپنی حالت میں مشغول ہو گیا تو حامد اُٹھ کر اِدھر اُدھر ٹہلنے لگا - جنّات کی آواز چڑیوں کی چہکار اور فرشتوں کی تسبیح وتہلیل کی آواز کے سِوا کچھ کان میں نہ آتا تھا اور پتھروں کے دو بلند سلسلے اور ایک دو خاردار جھاڑی کے سوا کچھ دکھلائی نہ دیتا تھا - سبز درخت بھی تھے مگر بہت دور، چونکہ دھوپ بہت تیز تھی اور ہوا کی گرمی معمولی سے زیادہ تھی لہٰذا حامد غمزدہ کی طرف پلٹ آیا - یہاں بھی اگرچہ گرمی اور لُو سے بچانے والا وہ سامان نہ تھا جس کو سامانِ راحت کہا جائے لیکن پھر بھی بڑے پتھروں کو قرینہ سے چار طرف رکھ کر ایک مکان کی

سی شکل نکل آئی تھی جس میں دھوپ سے پناہ ملتی تھی۔ گو چند طرف سے بالکل کھلی ہوئی جگہ میں گرم ہوا آکر جھلس جاتی تھی۔ غمزدہ حامد کا انتظار ہی کر رہا تھا۔ پہنچتے ہی پانی کی طرف اشارہ کر کے ہاتھ مُنہ دھونے کو کہا اور ایک پھٹا ہوا کپڑا بچھا کر اُس پر چار خمیری روٹیاں تھوڑا سا اچار کچھ گوشت رکھ دیا، حامد کو کھانے کے لئے کہا اور خود بھی شریک ہو گیا۔ حامد نے رات سے کچھ نہ کھایا تھا اُسے اپنے بزرگ مہمان نواز کی دعوت سے کیا انکار ہو سکتا تھا۔ شکریہ بجالا کر کھانے لگا۔ غمزدہ نے وہیں ایک ٹھلیا میں سے نہایت سرد پانی پلایا جو ایسے خشک سنگستان میں آبِ حیات سے کم نہ تھا۔ حامد کھا پی کر اُٹھا اور خدا تعالیٰ کا شکر بجالایا غمزدہ سے بھی اظہارِ ممنونیت کیا اور اس ویرانہ میں ایسے کھانے اور پانی مل جانے کی وجہ دریافت کی مگر غمزدہ نے ان باتوں کا جواب خاموشی سے دیا۔ حامد ایک طرف کو چٹائی پر لیٹ گیا اور لیٹتے ہی کسی دوسرے عالم میں جا پہنچا۔ دو ڈیڑھ گھنٹہ آرام سے سویا ہو گا کہ دیکھتا ہے کہ زاہد و ذاکر پریشان ہیں اور حامد کو ڈھونڈتے ہیں یہ حالت دیکھ کر حامد نے زور سے پکارا کہ "یہاں ہوں" یہ آواز ایسے زور سے نکلی کہ حامد جاگ پڑا، جاگ کر تعجب سے کیا دیکھتا ہے کہ غمزدہ سے جگہ خالی ہے بہت پریشان ہوا باہر دوڑ کر چار طرف دیکھا تو دور سے اُسے صاف و پاکیزہ چشمہ پر وضو کرتے ہوئے نظر آئے حامد کی جان میں جان آئی اور خود بھی وضو کر کے نماز پڑھی اور آفتاب کی آب و تاب اور گرمی کم ہوئی تو چار طرف پھر کر اس سنگستان کی سیر کرنا چاہا لیکن ہر طرف تندور کی طرح جھو اور گرمی نکل رہی تھی۔ اس لئے نہ پھر سکا اور نماز کو وسیع میدان میں ایک ایسی جگہ جا بیٹھا جس کی گرمی بڑے بڑے بلند پہاڑوں کا سایہ پڑنے کی وجہ

سے دوسرے پتھروں سے پہلے کم ہوگئی تھی۔ مغرب اور عشاء کی نماز یہیں پڑھی۔
اب اس کو یہ بھی معلوم ہوگیا تھا کہ وہ دفعتہً آنے والا امام وہی غمزدہ میزبان ہے۔ حسب معمول فرشتے اور امام نماز پڑھتے ہی غائب ہو چکے تھے۔ حامد نے نماز پوری کرکے اپنے میزبان کے پاس جانا چاہا تو بڑی مشکل پیش آئی۔ چار طرف اندھیرا راستہ کا پتہ نہیں۔ بہت گھبرایا اور پتھروں کے کناروں کو ہاتھوں سے پکڑ پکڑ کر ایک بلندی پر چڑھ کر اِدھر دیکھا تو جنوب کی طرف بہت دُھندلی روشنی معلوم ہوئی۔ نیچے اُتر کر اُسی طرف کو چلا۔ تھوڑی دور جانے کے بعد غمزدہ کے زور زور سے کچھ پڑھنے کی آواز نے حامد کا اطمینان کر دیا۔ غمزدہ کے پاس پہنچکر دیکھا کہ ایک چھوٹا سا چراغ جل رہا ہے اور ہاتھ میں تسبیح لئے کسی حیرانی کے عالم میں بیٹھا ہے۔ کبھی کبھی زور سے خدا کا نام زبان سے نکل جاتا ہے۔ حامد کو دیکھکر دوپہر ہی کے مانند تھوڑا سا کھانا اس کے سامنے رکھ کر کھانے کا اشارہ کیا اور خود اپنی حیرانی میں مشغول ہوگیا حامد کھانے سے فراغت پاکر اطمینان سے غمزدہ کی طرف متوجہ ہوکر اس کا منتظر ہو بیٹھا کہ کچھ باتیں کرے۔ دو گھنٹے اسی طرح گذر گئے۔
حامد کو نیند اور کسل نے بہت ہی مجبور کیا کہ لیٹ جائے لیکن اس کو فقیر کا حال دریافت کرنے کا شوق روکے ہوئے تھا آخر حامد کی متواتر جمائیوں نے فقیر کو اس کی طرف رحم دلایا اور وہ بھی اسکی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا کہ بھیا کیوں بیٹھے ہو اب سو رہو صبح کو ہم تم کو تمہارے وطن پہنچا دینگے۔
حامد نے ادب سے عرض کیا کہ وطن پہنچنے کی طرف سے تو اب حضور کی توجہ سے اطمینان ہو گیا ہے لیکن (بہت دبی زبان سے ڈرتے ڈرتے) اگر اپنا کچھ حال، نام، مقام اور اس تنہائی و تجرد پسندی کی وجہ فرما دیجئے تو بڑا احسان ہو۔

غمزدہ ہنسا اور ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا کہ حامد اِن باتوں سے کیا فائدہ آرام کرو۔ حامد نے کئی بار نہایت اصرار آمیز عاجزی سے کہا کچھ تو ضرور بیان کیجیے۔ آپ کے اس غم والم اور سکوت کو دیکھ دیکھ کر میری حیرانی بڑھتی ہے۔ غمزدہ نے آہ کا نعرہ مارا اور اُس کا دل بھر آیا آنکھیں پُرنم ہوگئیں ؎

مائیم کز ازل غم و درد آشنائے ماست
ما از برائے محنت و محنت برائے ماست
نہ شگوفہ ام، نہ برگم، نہ ثمن، نہ سایہ دارم
در حیرتم کہ دہقاں بچہ کار کشت مارا

حامد کے مخلصانہ اصرار اور سوال کی سادگی نے کسی قدر مجبور کر ہی دیا تھا اور غم کے اُمنڈے ہوئے جوش کے فرد کرنے کی تدبیر بھی غمگین درویش کو یہی نظر آئی کہ کچھ کہکر دل ہلکا کرے کہنے لگا کہ حامد آجتک کسی سے اپنے غم کی داستان نہیں کہی لیکن تیرے دلی اصرار سے مجبور ہوکر کہے ڈالتا ہوں اچھا ہے۔

واقفِ راز زمانے ہیں کوئی ایک تو ہو۔

مگر دیکھنا کبھی بھول کر بھی کسی سے نہ کہنا حامد شکریہ ادا کرکے دوزانو ہو بیٹھا اور کبھی ظاہر نہ کرنے کا وعدہ لے کر درویش نے کہنا شروع کیا۔

درویش کا حال، نعیمہ پری کے ابتدائی تعلقات ہجر و وصل کے حالات

؎ کیا کچھ تھا اس نمود کا آغاز خوشنما — انجام کو جو غور سے دیکھا تو خراب تھا

ہمیشہ آدمی پر اُنہی لوگوں کا اثر ہوتا ہے جن کے ساتھ وہ رہتا اور ملتا جلتا ہے
نوعمری میں انگریزی تعلیم پانے والے لڑکوں کی صحبت نے انگریزی کا شوق دلایا۔
جب اِدھر اُدھر پڑھنے سے کام نہ چلا تو باپ سے اجازت لے کر (جو ایک باخدا
درویش اور عزت سے عمر بسر کرنے والا شخص تھا) وطن کے قریب ہی ایک نہایت
شاندار کالج میں داخل ہونے کی کوشش کی اور ذی اثر باپ کے ملاحظہ اور رعایت
سے بلا کسی دُشواری کے نام لکھا گیا اور ایسی محنت سے پڑھنا شروع کیا کہ ترقی کی اُمید بندھ گئی
اور ماسٹر و ہیڈ ماسٹر پرنسپل سب مہربانی کی نظر سے دیکھنے لگے۔ دلی شوق تھا اور صحبت
بھی کوئی بُری نہ تھی۔ پانچ سال کے عرصہ میں بہت سے درجے طے کرتا ہوا اچھی خاصی ترقی
پر پہنچ گیا۔ ان پانچ سال کے اندر اگرچہ باپ کی موت کے ناگہانی صدمہ نے دنیا کی ساری
آسائش اور دلچسپی سے مُنہ موڑ دیا لیکن تعلیم کے شغل میں یہ مصیبت بھی حارج نہ ہو سکی
اسی طرح مصروف رہا۔

یہ اسکول کیا تھا عجائب خانہ تھا انسان، جن، پری سب ہی اس میں پڑھتے تھے مگر بجز
ایک دو جنات اور چند انسانوں کے جن کی صحبت نے اس کو انگریزی کی طرف مائل کیا تھا
نثار کا کسی سے علاقہ نہ تھا۔

حامد جو نہایت شوق سے بالکل سکوت سے حال سُن رہا تھا اور سوائے ہاں جناب اور
پھر حضور کے کچھ کہتا ہی نہ تھا اُچھل کر بولا کہ "حضور کا نام نثار احمد ہے"؟ عمزدہ نے کہا کہ ہاں
ماں باپ نے یہی نام رکھا تھا اب نہ اس کے رکھنے والے رہے نہ جاننے والے حامد نے کہا
کہ اچھا فرمائیے۔ عمزدہ کہنے لگا کہ انہیں ایام میں پرستان کے کسی بادشاہ نیر الملک کی لڑکی
کو ہندوستان کی سیر کا شوق ہوا اور باپ کی اجازت سے سیر کرتے کرتے انسانی صورت میں

بشکلِ مردانہ یہاں آکر اس کالج کو ایک عجیب فرحت گاہ سمجھ کر چند روزہ دلچسپی لینے کے لئے کالج کے افسروں سے مل کر ایک متوسط درجہ میں انگریزی تعلیم حاصل کرنا شروع کر دیا اور نثار کے وطن سے پانچ میل پر ایک عالی شان کوٹھی کرایہ پر لے کر رئیسانہ شان و شوکت سے مع بہت سے خادم اور ملازموں کے رہنا شروع کر دیا۔ تعلیم کے اوقات کالج میں گذارتی اور ہمیشہ اُسی عالی شان مکان میں رہتی۔ لوگوں میں اُس کا نام جمیل پری مشہور تھا اور بہت سے انسان و جنّات اس کو محبت کی نظر سے دیکھتے تھے مگر اس کی یکسوئی اور پاکبازی کے سامنے تعلقِ ظاہری پیدا کرنے سے مجبور رہتے۔ معمولی صاحب سلامت کے سوا کسی سے ربط نہ تھا۔

میاں نثار بھی اُنہیں لوگوں میں تھے۔ گرمی کا موسم آیا رفتہ رفتہ وہ شدت ہوئی کہ ہوش پریشان ہونے لگے۔ اسکول میں تعطیل کا قاعدہ تو تھا ہی اس سال افسروں کی منظوری سے ایک ہفتہ پہلے ہی تعطیل کر دی گئی اور پورے دو ماہ کے لئے کالج بند ہو گیا۔ دوسرے لڑکوں کی طرح نثار بھی وطن چلا آیا۔ یہاں اگرچہ باضابطہ تعلیم اور پابندی نہ تھی لیکن نثار کو پڑھنے لکھنے کے سوا کوئی شغل ہی نہ تھا معمولی طرح سے کبھی دوستوں کا خیال آجاتا تا اُسی میں جمیل کا بھی کبھی ایک دو دفعہ دھیان آجاتا۔

دنیا کے تغیرات، حالاتِ انسانی کی رنگا رنگی دیکھئے اور زمانہ کے گوناگوں بے بقا نقش و نگار پر غور کیجئے کہ یا تو نثار اپنے سیدھے سادے مکان میں پڑا تھا یا ایک سرسبز و شاداب باغ کے اندر ایک نہایت عالی شان مکلف مکان کے برآمدے میں کھڑا ہے ؎

بیٹھے بٹھائے آئے جو شامت تو کیا علاج

دل نے کہا کہ آؤ چلیں یار کی طرف

باغ کیا ہے نمونہ جنت، صاف و شفاف پانی کی نہریں ہیں سرسبز درخت اور رنگا رنگ

کے زرد سُرخ پھول اپنی بہار دکھلا رہے ہیں۔ خوشبو سے دماغ معطر ہوا جاتا ہے۔ یہ وہی باغ اور مکان ہے جو نثار کے وطن سے پانچ میل کے فاصلہ پر شہر سے نکلتے ہوئے دائیں جانب واقع ہوتا ہے اور بہت معقول کرایہ لے کر جمیل نے وطن سے آکر اسی میں قیام کیا ہے۔ اگرچہ پہلے چند مرتبہ نثار اس باغ اور مکان کو دیکھ چکا تھا لیکن اس وقت کچھ اور ہی حالت تھی نثار کوٹھی کے برآمدے میں جاکر کھڑا ہی ہوا تھا کہ اندر سے جمیل مسکراتی ہوئی نکلی اور نثار کو پکڑ کر نہایت تپاک سے بٹھلا لیا۔ اِدھر اُدھر کی باتیں ہونے لگیں۔ اور جمیل کی میٹھی میٹھی باتوں میں نثار محو ہو گیا ؎

تا شدم محوِ تماشایت ندیدم خویش را
شد نہاں در دیدہ ہمچوں شمع سرتا پائے من

تھوڑی دیر گذری تھی کہ چند جنات بھی اِدھر اُدھر سے آگئے۔ اگرچہ وہ نثار کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔ لیکن اس کا کچھ ایسا دل گھبرایا کہ سیدھا مکان کو واپس آگیا ؎

یوں اُٹھے آہ اُس گلی سے ہم
جیسے کوئی جہاں سے اٹھتا ہے

چلا تو آیا لیکن ایک خاص اثر ساتھ لایا وہ اُنس جو جمیل سے تھا زیادہ ہونے لگا۔ جمیل کا تصور اور خیال جو کبھی شاذ و نادر آتا ہو گا بار بار آنے لگا۔ ایک دن خالی گذرا، تیسرے دن پھر وہی مکان ہے وہی صورت اور پہلے سے بھی زیادہ لطف و عنایت ایک تخت زرنگار بچھا ہوا ہے۔ دائیں طرف میاں جمیل ہیں اور بائیں طرف میاں نثار بیٹھے ہیں۔ نثار بار بار جمیل کی صورت کو دیکھتا اور خالق بیچوں کی قدرت پر واہ واہ کرکے حیران ہو رہا تھا کہ پیچھے سے ایک مرد طویل القامت جو سر سے پاؤں تک سیاہ لباس میں لپٹا ہوا تھا بلا تکلف

آگیا اور کہنے لگا کہ جناب نثار احمد صاحب آج کدھر نزول ہوگیا۔ دل میں تو نثار کو اس شخص کی بے موقع آمد بہت ناگوار گذری لیکن چونکہ پہلے سے اچھی طرح اس سے شناسائی تھی اس لئے کہنے لگا کہ آئیے آئیے حضرتِ مخفی آپ بھی پہنچ گئے ؎

دست بر سینہ بہ تعظیم رقیباں کردم
بچہ تقریب بہ بیں داغ تو پنہاں کردم

یہ مخفی صاحب ایک طرف کو خود ہی بیٹھ گئے اور باتیں کرنے لگے۔ نثار کا دل تو ان کے آنے سے بے طرح گھبرا ہی گیا تھا۔ جمیل کا تخفیفِ تصدیعہ اس میں دیکھا کہ اب رخصت ہو جائے۔ اُٹھا اور مکان پہ پہنچ گیا۔ اب کیا تھا ان دو تین ملاقاتوں میں صرف اُنس نہ رہا تھا بلکہ دل میں میٹھا میٹھا دردِ محبت پیدا ہونے لگا۔ ہر دم جمیل کا دھیان اور شوقِ دیدار رہنے لگا وہاں جانا کچھ آسان نہ تھا۔ صدہا چوبدار محافظ ہر وقت مکان کے گرد موجود رہتے تھے۔ یہ بھی کچھ قدرتِ خدا تھی کہ نثار کبھی کبھی پہنچ جاتا تھا۔ نثار کو اب کسی کام کی طرف توجہ نہ رہی اُسی خیال میں ڈوبا رہتا اور ملنے کی تدبیریں سوچتا ؎

ہمہ شب دریں خیالیم کہ رسم بوصل روزے
ہمہ روز در اُمیدم کہ شبے بخوابم آئی

دو چار دن کے بعد پھر وہیں موجود تھا اور وہی لطفِ صحبت مگر بالکل پاکیزہ۔ نثار کا شوق اس کو ہر روز نہیں تو تیسرے دن وہاں ضرور پہنچا دیتا تھا۔ اس آمد و رفت میں نثار کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مخفی صاحب ہر وقت کے خادم و ہمراز ہیں اور جمیل کی محبت نے ان کو مجبور کر کے ملازموں کے زمرہ میں داخل کر دیا ہے ؎

سیکھیں گے بہرِ وصل حسنیاں مصوری
تقریب کچھ تو بہرِ ملاقات چاہیئے

روز کی آمد و رفت اور نثار کے طرز و انداز نے جمیل پر اس کی پوری حالت ظاہر کر دی تھی۔ اور ثابت کر دیا کہ یہ بھی دل سے چاہنے والا اور اپنے اختیار سے نکلا ہوا شیدائی ہے مخفی کو ناگوار گذرنے کے علاوہ عام ملازموں اور محافظوں کی نظر میں نثار کانٹے کی طرح کھٹکنے لگا۔ اس چند روزہ آمد و رفت میں نثار کی حالت کچھ سے کچھ ہو گئی تھی سارے کام چھوڑ کر ایک ہی خیال میں مست ہو گیا تھا ؎

عشق میں جی کو صبر و تاب کہاں
اُس سے آنکھیں لگیں تو خواب کہاں
عشق ہے عاشقوں کے جلنے کو
ہے جہنم میں یہ عذاب کہاں

ارادہ کیا کہ جس طرح ہو سکے جمیل کو اپنے وطن میں لانا چاہئے۔ اس ارادہ کو دل میں لیکر گیا۔ لیکن جمیل کی صورت دیکھتے ہی وہ رعبِ حُسن چھایا کہ کچھ بھی کہہ نہ سکا ؎

دل میں ہیں ولولے ہزار مگر
حرف اِک تا زباں نہیں آتا

حسب معمول تھوڑی دیر کے بعد واپس آگیا اور دل کی دل میں ہی کہہ نہ سکا۔ اسی طرح بہت دفعہ اظہارِ مدعا کا ارادہ کیا لیکن نہ ادا کر سکا ؎

دل میں گھُٹ گھُٹ کے رہ گئی حسرت
لب پہ آ آ کے رہ گیا مطلب

جب دل نے بہت ہی مجبور کیا تو ایک ملاقات میں ہوش و حواس درست کر کے اور دل مضبوط کر کے کہا کہ اے جمیل ہماری ایک عرض ہے ؎

روز سنتے ہو قصے غیروں کے
آج میری بھی داستاں سُن لو

جمیل نے ہنسکر کہاکہ فرمائیے۔ نثار نے رکتی ہوئی زبان سے کہاکہ اگر ایک روز میرے وطن پر چلئے تو بڑا احسان ہوے

گر شبے بامنِ دل خستہ گذاری چہ شود
آرزوئے دل بیمار بہ آری چہ شود
من خزاں دیدہ نہال ہستم و تو بادبہار
گر بمن بگذری اے بادِ بہاری چہ شود

جمیل نے ذرا سوچ کر کہاکہ میرا چلنا کیسے مناسب ہے تم دیکھتے نہیں کہ یہ چار طرف کے محافظ تمہارے اور میرے تعلقات کو کس نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ نثار خاموش رہ گئے اور تھوڑی دیر میں کہاکہ صرف ایک دفعہ جس طرح ہوسکے نثار کی بار بار عاجزی سے شرمندہ ہوکر جمیل نے کہا اچھا اچھا۔ نثار کی جان میں جان آگئی۔ اور کہاکہ پھر آج ہی سہی جمیل نے بے پرواہی سے کہا کہ ایسی کیا جلدی ہے۔ اوّل تو ضرورت ہی کیا ہے صاحب۔ اور اگر کبھی چلنا ہوگا پھر کبھی دیکھا جائیگا۔

وصل کے باب میں کی عرض تو ہنسکر بولے
کیوں مرے جاتے ہو ہو جائیگا ہو جائیگا

اس معشوقانہ جواب سے رنجیدہ تو نہیں ہوا۔ لیکن آج ہی لے چلنے کی جس آرزو کو دل میں لئے ہوئے تھا اُس پر پانی پھر گیا۔ اور ایک خوف ورجا کے دریا میں غوطہ کھانے لگا۔ گھر میں ہے تو نہایت اُداس۔ باہر نکلتا ہے تو نہایت غمگین۔ البتہ یہاں کی آمدورفت اور اس شیریں سخن جمیل کی پُر لطف باتوں سے دل بہلتا رہتا تھا سچ ہے دنیا خواب وخیال ہے کسی حالت کو قرار نہیں۔ چشم زدن میں کیا سے کیا ہو جاتا ہے۔ بڑی بڑی عمریں اور دراز دراز زمانے ایسے گذر جاتے ہیں کہ گویا کبھی تھے ہی نہیں ے

ایں عمر کہ بتیاب بہ بینی اورا
نقشے است کہ برآب، بہ بینی اورا

تعطیل کے دو مہینے اِن مسرت آمیز ملاقاتوں میں ایسے گذر گئے جیسے دو دن بلکہ دو گھنٹے یا دو منٹ سے

آں چشم کہ مرا بوصل تو راہ بود
تا چشم نہ نم وقتِ سحر گاہ بود

تعطیل ختم ہوئی۔ سب بڑے چھوٹے اُستاد شاگرد کالج کھلنے سے ایک روز پہلے آموجود ہوئے نثار کا دل اگرچہ اب پڑھنے لکھنے سے کوسوں بھاگتا تھا لیکن ماسٹروں کی شرم پروفیسر کا ادب و لحاظ مجبور کر کے عین تعلیم شروع ہونے کے دن اس کو بھی کالج میں لے آیا۔ اور بادلِ ناخواستہ سب کے ساتھ مل کر پڑھنے لگا مگر حالت یہ تھی کہ نظر کتاب پر ہے اور دل کہیں اَور ہے۔ ماسٹر صاحب کچھ سمجھا رہے ہیں اور یہ کچھ دوسرا ہی مطلب سمجھ رہے ہیں۔ جب تک تعطیل رہی نثار اپنے جمیل کی پر لطف ملاقات سے کامیاب ہوتے رہے لیکن تعلیم شروع ہوجانے کے بعد نہ جمیل کو موقع رہا کہ ملے اور نثار بھی چونکہ ظاہری پابندی سے تعلیم حاصل کرتا تھا اس کو بھی اتنی فرصت نہ ہوئی کہ پانچ میل جا کر اپنا حالِ زار سنا دے۔ بڑی سختی سے دن رات گذرنے لگے وطن لیجانے کی آرزو کو بھی نثار بھلا نہیں سکا اور اُس کے ولولے اُٹھ کر اور بھی بیچین بنائے دیتے تھے۔ آخر ایک روز موقع پا کر اُس عالی شان کوٹھی میں گیا۔ جمیلہ سے ملاقات بھی ہوئی مگر ملازم اور خادموں کے ایسے مجمع میں کہ حرفِ آرزو زبان پر بھی نہ لا سکا اور مایوسانہ واپس آیا۔ وطن بُلانے کا ولولہ اس کو ایسا بیچین کئے ہوئے تھا کہ پڑھنے لکھنے کو ہی نہیں بلکہ تمام تعلقات کو چھڑا

دیا ہر دم موقع ڈھونڈتا رہتا تھا کہ کسی طرح پھر عجز و التجا کرکے چلنے پر رضامند کروں۔ آخر دن رات کی دعاء اور اس کے اضطراب پر خدا تعالیٰ نے رحم فرمایا۔ کیا دیکھتا ہے کہ نہ کوئی خادم ہی نہ ملازم نہ نگہبان صرف تنہا جمیلہ ایک نہایت مکلّف مسہری پر لیٹی ہوئی ہے اس کو دیکھ کر تعظیم کے لئے اٹھ بیٹھی اس نے معمولی مزاج پرسی کے بعد کچھ ایسے نیاز مندانہ لہجہ میں آرزو ظاہر کی کہ جمیلہ کو مروت آگئی ؂

کلیجے سے لگایا پھینکدی تلوار قاتل نے
ہم اس انداز سے مقتل میں گردن کرکے خم ٹھیرے

شب کو آنے کا وعدہ کر لیا۔ قریب تھا کہ اس خوشی میں نثار شادیٔ مرگ سے مر جائے ؂

جواب وصل سے کیونکہ نہوں میں شادیٔ مرگ
خوشی بھی اور خوشی دلربا کے آنے کی

لیکن اپنے آپ کو سنبھالا، بہت شکریہ ادا کیا۔ نثار کو خیال تھا کہ دو چار خادم ضرور ہمراہ ہوں گے لیکن جمیلہ نے خود ہی کہدیا کہ ہم تنہا ہوں گے۔ حامد نے بار بار عاجزی سے ایفائے وعدہ کی تاکید کی اور سلام کرکے رخصت ہوا ؂

انہوں نے وعدہ کیا آج سب کو آنے کا
خوشی تو جب ہے خدا خیر سے گذارے دن

وطن آیا تو خوشی سے پھولا نہ سماتا تھا۔ دل میں کہتا تھا کیا سامان کروں۔ اول تو سامان ندارد اور اگر کوئی سامان کیا بھی تو اس شاہی زیب و زینت اور پردۂ غیب کے سامانوں سے کیا مناسبت ہوسکتی ہے پھر بھی اپنے مقدور بھر ٹوٹے پھوٹے جھونپڑے کو درست کرکے تیار ہو بیٹھا اور گھڑیاں گننے لگا۔ دن کیا تھا پہاڑ ہوگیا۔ ہر ہر منٹ پر گھڑی کو دیکھتا ہے۔ مگر آج اس کی رفتار بھی سست پڑ گئی۔ بار بار گھڑی کو کان سے لگاتا ہے کہ بند تو نہیں ہوگئی ؂

انتظارش میکشد اُمید جانم می دہد

از ہجوم شوق ہم گریان و خنداں می روم

عرض اللہ اللہ کر کے دن تمام ہوا آفتاب پردہ مغرب میں جا چھپا۔ اب اس کے شوق کی انتہا نہ تھی۔ منصوبہ سوچتا اور مضمون گھڑتا کہ اس طرح پیش آؤں گا اور یوں بٹھلاؤں گا۔ اور یہ کہونگا۔ اور ایسی طرح اظہارِ محبت کرونگا۔ اور یہ ہوگا۔ اب نثار ہے کہ باولا بنا ہوا ہے۔ آتشِ شوق تیز تر گردو کا مضمون ہو رہا تھا۔ غمزدہ درویش (یعنی نثار) اپنی حالت یہاں تک بیان کر کے ایک آہ مار کر خاموش ہوگیا حامد نے جو سراپا گوش ہو کر سُن رہا تھا گھبرا کر کہا کہ کیوں خاموش کیسے ہوگئے کہیں جمیلہ نے وعدہ خلافی تو نہیں کر دی تھی۔ غمزدہ نے کہا کہ نہیں نہیں مگر جب وہ اشتیاقی حالات یاد آجاتے ہیں تو میری حالت غیر ہو جاتی ہے۔ کیا اچھا زمانہ تھا ؎

باعثِ گریہ نہ پوچھ اے ہمنشیں

کیا کہوں میں آگیا تھا یاد کیا

ہجر میں عیشِ گذشتہ جو مجھے یاد آیا

دادِ بیداد کو ہنگامۂ فریاد آیا

خیر اب بار بار مکان کے دریچوں سے سر نکال نکال کر دیکھتا ہوں کبھی آسمان کیطرف دیکھتا ہوں کہ وہ صبا رفتار آتے ہیں یا نہیں ؎

کب آئے گا جانے وہ سروقامت

ہمارے تو سر آبنی ہے قیامت

غریب کی قسمت تو ایسی نہ تھی مگر اس مقلب القلوب کی قدرت کے قربان جائیے۔ دفعتہً ہوا میں بہت سے جانوروں کے پروں کے فراٹے کی آواز ہوئی اور ایک نہایت

نفیس موتیوں سے جڑا ہوا تخت صحن میں اُترا اور جمیلہ نہایت ناز و انداز سے مسکراتی ہوئی مکان میں داخل ہوئی ؎

جذبِ دل کا ہو برا کھینچ بلایا اُس کو
جو نہ ورنہ کبھی آیا تھا وہ باہر نکلا

نثار تعظیم کو اُٹھا اور قریب تھا کہ لپٹ جائے لیکن کلیجہ اُچھلنے لگا، دل خوشی سے پہلو سے نکلنے لگا۔ ہوش باختہ ہو کر سکتہ میں رہ گیا ؎

ہوش و صبر و خرد و دین و حواس و تب و تاب
اس کے ایک آنے میں کیا کیا نہ گیا مت پوچھو

جمیلہ اس کی حالت کو دیکھ دیکھ کر دل میں ہنستی تھی۔ آخر بہت کچھ دل کو قابو میں کر کے بیٹھ گیا۔ زبان نہ اُٹھتی تھی کہنا تھا

ع   ایں چہ می بینم بہ بیدار یست یارب یا بخواب

اِس عالمِ سکوت کو جمیل ہی نے توڑا۔ اور کہا کہ کیوں آپ خاموش کیوں ہیں کیا ہمارے دیر سے آنے سے ناراض ہو گئے۔ نثار نے شکریہ کے لہجہ میں ممنونیت و مسرت ظاہر کی اور جس طرح بن پڑا یہ مشہور شعر پڑھ ہی دیا ؎

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

نثار جو اس پُرشان و شوکت پری کے سامنے مفلسوں سے زیادہ مفلس تھا کیا سامان اور تواضع کر سکتا تھا لیکن ڈرتے ہوئے اس نے اپنی بساط کے موافق چیزیں پیش کی۔ اگرچہ جمیلہ کو ایسی ناچیز پیشکش سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی لیکن نثار کی دلداری کے لئے کچھ اٹھا کر

زبان پر رکھ لیا۔ نثار کو اس ملاقات میں وہ لطف آیا کہ کبھی کبھی کے غم بھول گیا ؎

مہمان ہے وہ غیرتِ خورشید و قمر آج
دن آج ہے رات آج ہے شام آج سحر آج

بہت سے شکوے اور شکائتیں اپنے درد کی حکایتیں سنانے کے منصوبے سوچے ہوئے ہوا ہو گئے ؎

شوق کہتا تھا ابھی عرضِ تمنا کیجئے
دل یہ کہتا تھا کہ ابھی پڑتی نہیں ہمت میری

ہزار سوچتا ہے کہ کیا کیا کہنا تھا مگر ایک بھی یاد نہیں آتا۔ ؎

جاتا رہا وہ جوش بھرا تھا جو قلب میں
غائب ہوا وہ ذہن جو حاضر جواب تھا

جمیل نے جانے کا ارادہ کیا تو نثار نے کہا کہ کچھ تو ٹھیریے ؎

دل کا کیا حال کہوں صبح کو جب اس بت نے
لیکے انگڑائی کہا ناز سے ہم جاتے ہیں
لطف کردی قدم رنجہ نمودی بارے
آں قدر باش کہ از خود روم و باز آیم

جمیل ذرا ٹھیر گئی اور کہا کہ وہاں کی حالت آپ کو معلوم ہے اتنی دیر ٹھیرنا بھی مشکل ہے معلوم نہیں کہ وہاں کیا حال ہوگا۔ جمیل یہ کہکر رخصت ہوئی اور تخت ہوائی پر یہ جا وہ جا۔ جبتک نظر نے کام کیا نثار دیکھتا رہا پھر آکر بیہوش ہو کر گر پڑا۔ ہوش آیا تو کبھی اُسی مکان کو جو کسی کے جمالِ جہاں آرا سے ابھی ابھی جگمگا رہا تھا خالی دیکھ کر وہ حسرت کرتا تھا کبھی اپنی اس خوش قسمتی

پر نازاں ہوتا تھا۔ نثار کو اس ملاقات نے جمیل کا بالکل دیوانہ اور فریفتۂ حسن ہونے کے علاوہ معتقد اور مرہونِ احسان بھی بنالیا۔ اب اس کی حالت بالکل مجنونانہ ہو گئی ؎

آرزو وصل کی ہوتی ہے سوا بعدِ وصال
جان جاتی ہے یہ ارمان کہاں جاتا ہے

ہر وقت اُسی خیال میں ڈوبا رہتا وہی صورت پیشِ نظر رہتی گو اس نے اپنی حالت کو اب تک ظاہر نہیں کیا تھا لیکن کالج کے افسر اس کی ترقی اور معمولی تیزی کو رکا ہوا دیکھ کر حیران تھے۔ اگرچہ ہر روز سب طالب علموں کی طرح ایک مختصر بیگ میں انگریزی کی خوبصورت کتابیں بھر کر اسکول میں جا بیٹھا تھا لیکن پڑھنے میں دل ہی نہ تھا۔ ہزار چاہتا کہ محنت کر کے کلاس کے لڑکوں سے کم نہ ہونے پائے لیکن جی ہی نہ لگتا تھا مجبور تھا۔ اِس ملاقات کے بعد پندرہ دن کامل گذر گئے۔ نہ نثار کا وہاں گذر ہو سکتا تھا نہ جمیل نے کبھی رُخ کیا اسکول میں یہ اور وہ برابر بیٹھے ہوتے مگر وہ ہیں کہ گویا جانتی ہی نہیں ؎

جان کر پہچان کر انجان جب کوئی بنے
پھر نہ ہونے کی برابر وہ شناسائی ہوئی

نثار حیران تھا کہ کیا معاملہ ہے جمیل کی اس بے توجہی کے زمانہ میں جو مصیبت اور شدت رہی اس کو نثار جانتا ہے یا اُس کا خدا ؎

ملنے کے بعد رنج اُٹھائے ہیں اس قدر
شکرِ وصال بھی میرے لب پر فغاں ہے اب

دن کو چین تھا نہ رات کو آرام گھنٹے گذر جاتے کہ اپنی خبر نہ رہتی جمیلہ کے تصور سے باتیں کرتا رہتا۔ اس نے حاضری کی ہزاروں تدبیریں کی مگر ایک بھی کارگر نہ ہوئی ؎

کونسی تدبیر نہ کی کونسی مانگی نہ دعاء
ہم نے کیا کیا۔ نہ کیا اُن کے بلانے کیلئے

آخر کو لاچار ہو کر ایک خط لکھنا شروع کیا۔ بار بار لکھتا اور چاک کرتا تھا۔ کبھی کچھ القاب لکھتا۔ کبھی کچھ طویل سمجھ کر چیر ڈالتا۔ کبھی مختصر کو اظہارِ مدعا کے لئے کافی نہ سمجھتا۔ غرض اسی طرح دس بیس کاغذ خراب کر کے ایک خط تیار کیا۔

فراغت می کشد لیکن خیالت زندہ می دارد
بقا بادا خیالت راکہ ازوے زندگی دارم

اے سراپا نزاکت اگر یہ سختی منظور تھی تو اول ہی سے کیوں مُنہ لگانا تھا۔ اب تمہاری مہربانی احسان نے قید کر لیا۔ خدا کے واسطے رحم کرو مجھے بلاؤ یا خود آؤ۔ ورنہ مر جاؤں گا خون تمہاری گردن پر رہے گا ؎

تو خود بگوئی کہ ایں درد را چہ چارہ کنم
مگر کہ دشنہ بگیرم و سینہ پارہ کنم

"راقم تمہارا مجنوں"

خط تو لکھا گیا مگر لے کون جائے۔ افشائے محبت کا خوف نہ کسی سے ملاقات نہ راہ و رسم سوچتے سوچتے ایک بڑھیا جن سے کام نکلتا دیکھکر اُس کے عاجزی کی اور خط پہنچا دیا۔ اب جواب کے مضمون بھی خود ہی سوچتا ہے کہ یہ جواب آئے گا اور شاید یوں نہ ہو یوں ہو ؎

کیا کیا فریب دل کو دیئے اضطراب میں
اُن کی طرف سے آپ لکھے خط جواب میں

اسی خیال میں ایک دن گذر گیا اور اس کی پریشانی بڑھی کہ دیکھئے جواب ملتا ہے یا نہیں۔ جواب نہ آیا تو معلوم ہوگا ضرور رہی رنجش ہو گئی۔ تیسرے دن نثار سخت اضطراب میں بیٹھا تھا کہ دفعتہً دائیں ہاتھ میں خط آگیا۔ پھر کیا تھا گویا دوبارہ زندہ ہو گیا۔ کبھی سینے پہ رکھتا تھا کبھی آنکھوں پہ کبھی چومتا تھا۔ آخر بہت دیر کے بعد مضمون پڑھنے کی نوبت آئی۔ پڑھا تو حیران رہ گیا۔ "مہربان چند روزہ بے توجہی کی معذرت طلب ہے جو بوجہ مجبوری اور خلقی لاپروائی کے ظہور میں آئی اور ایک خاص خلوت میں تشریف لانے کی آپ کو تکلیف دی جاتی ہے۔ جہاں ماحضر قبول کرنا بھی آپ کو ضروری ہوگا۔ مگر یہ جگہ اس ریگستانی علاقے کے پہاڑوں میں ہوگی جہاں آدمی کا گذر بھی دشوار ہے۔ اگر قبول نہ فرمایا تو ہم آتشیں طبع لوگوں کا مزاج برہم ہوگا۔

"از طرف جمیل"

نثار اس کو پڑھ کر حیران تھا کہ یا الٰہی یہ کیا اسرار ہے۔ اوّل تو یہ طلبی اور پھر خلوت اور پھر جانا کہاں ایک صدہا منزلوں دور ریگستان میں۔ نثار اسی حیرانی میں تھا کہ رات ہو گئی حیران تھا کہ کیا کرے جائے یا نہ جائے اور جائے تو کس طرح کہ دفعتہً وہی مخفی آئے اور کہا کہ چلئے حاضری کا حکم ہے۔ نثار نے کچھ عذر کیا تو مخفی نے کہا کہ وہ تمہاری منتظر ہیں اگر نہ حاضر ہوئے تو معتوب ہو جاؤ گے۔ اور ہمیشہ پچھتاؤ گے نثار نے کہا کہ پھر اتنے بعید مقام پر چلنا کچھ آسان ہے کیا تدبیر کی جائے۔

مخفی نے کہا آپ اٹھئے اور میرے ہمراہ ہو جیئے۔ نثار آنکھیں بند کر

ع بمے سجّادہ رنگیں کُن گرت پیر مغاں گوید

پر عمل کر کے ساتھ ہو لیا۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد دیکھتا ہے کہ ریگستانی زمین میں چل

رہے ہیں حیران رہ گیا کیا پوچھا اور کیا کہا ے

اسطرح جاتے ہیں اس بزم میں دل کے ہاتھوں
کہ بندھے جیسے گنہگار چلے جاتے ہیں

ابھی گھنٹہ بھر بھی نہیں گذرا تھا کہ بہت سے گنجان درخت اور بڑے بڑے پہاڑ نظر آنے لگے - اندھیرا تو ایسا تھا کہ نثار کا دَم ہوا ہو جاتا - لیکن ہمراہی کے ڈھارس پہ یہ کہتے ہوئے چلا جاتا تھا ع

شوق جاتا ہے لئے مجھ کو میں کیا جاتا ہوں

تھوڑی دور چلنے کے بعد انہیں پہاڑی گھاٹیوں میں قدرتِ خداوندی کا نمونہ ایک سرسبز و شاداب جگہ نظر آئی ایک بڑا میدان اور ایک عمارت جس کی صورت و ہیئت بتا رہی تھی کہ زمانہ کے بہت سے انقلاب اس کے سامنے کو گذر چکے ہیں - مکان کے اندر مکلّف فرش فروش ہیں ایک جانب کھانے کا انتظام ہو رہا ہے - بہت سے لوگ اُس میں مصروف ہیں - کھانے کی خوشبو سے تمام مکان مہک رہا ہے - ایک فرش پر جمیل نہایت تمکنت سے بیٹھی ہیں، نثار کو نہایت محبت سے کھینچ کر برابر بٹھلایا - معشوقانہ خودداری کو ملحوظ رکھ کر ہنسی اور اختلاط کی باتیں کیں اور اس تکلیف دہی کی معافی چاہی گئی - ہر ہر لفظ پر قربان ہونے کو موجود تھا ے

جب دیا اُس نے دلاسا شب کو وقتِ اضطراب
دل کی وہ بیتابیاں سب راحتِ جان ہو گئیں

اتنے دنوں کی تکلیف کو بیان کرنے کو ہوتا تو یہ لطف و عنایت دیکھ کر خاموش رہ جاتا تھا ے

غضب میں جان ہے برسوں کے شکوے بھول جاتا ہوں

کبھی دو چار دن ان کی عنایت ایسی ہوتی ہے

ملازموں نے کھانا تیار ہونے کی اطلاع دی، دسترخوان بچھایا۔ قرینہ سے مخفی نے دوسرے ملازموں کی مدد سے کھانا رکھا۔ جمیلہ اپنے ہاتھ سے نثار کی طرف کھانا بڑھاتی جاتی تھی۔ اور بار بار کہہ کر کھلاتی جاتی تھی۔

کھانے سے فراغت ہوئی دسترخوان بڑھایا گیا، تھوڑی دیر لطف و مسرت کی مجلس رہی اس کے بعد یہاں کا سب سامان ملازموں کے ہاتھوں میں چھوڑ کر خود نثار کو پہنچانے کے لئے ہمراہ ہوئی۔

مگر صورت بدل کر رات کا سخت اندھیرا۔ اور وہ دشوار گذار راستے، بجلی کی طرح طے کرتی جاتی تھی۔ نثار ہاتھ میں ہاتھ دیئے ہوئے نشۂ مسرت میں چور چلا جاتا تھا۔ اس کو کچھ خبر نہ تھی کہ راستہ کس طرح طے ہو رہا ہے ؎

ہم نہیں جانتے کچھ دیر و حرم کا رستہ

ہم مئے عشق میں سرشار چلے جاتے ہیں

کبھی کبھی کچھ باتیں کر لیتا تھا۔ ایسا خوشی میں مدہوش تھا کہ مطلق خبر نہ تھی۔ چلتے چلتے ایک جگہ جمیلہ ٹھیر گئی۔

حامد نے غور کر کے دیکھا کہ وطن کے در و دیوار نظر آ رہے تھے۔ جمیلہ نے کہا کہ بس اب آپ کا مکان قریب ہے مجھے اجازت دیجئے۔ نثار شکریہ ادا نہ کرنے پایا تھا کہ یہ جا وہ جا۔

غمزدہ درویش نے یہاں تک قصہ بیان کر کے کہا کہ میاں حامد اُس شب میں وہ روحانی

مسرت حاصل ہوئی کہ جینے جی کبھی نہ ہوگی۔

اس ملاقات نے مرغ بسمل کو زندہ کر دیا۔ اگر یہ ملاقات نہ ہوتی تو شاید اُس غم والم کے صدمہ میں مرجاتا یا حرام موت اختیار کرتا۔

اے حامد دیکھ وہ ستارہ کتنا چڑھ آیا ہے آدھی رات کے قریب آگئی ہوگی۔ کہاں تک اپنا حال سناؤں بس کرتا ہوں تو بھی گھبرا گیا ہوگا ؎

رات ساری تو کٹی سنتے پریشاں گوئی

اے میاں کوئی گھڑی تم بھی تو آرام کرو

حامد نے کہا کہ ایسا نہ کرنا کہ درمیان میں چھوڑ کر اپنی طرح مجھے بھی تڑپا دو اگر ختم نہ کرو گے تو رات بھر نیند نہ آوے گی۔

درویش نے کہا کہ اچھا اگر یہی ذوق شوق ہے تو سنو مختصر کر کے سناتا ہوں۔

اس ملاقات کی مسرت اگر کبھی اب بھی یاد آجاتی ہے تو دل کی کچھ اور حالت ہوجاتی ہے۔ اُس وقت تو ہفتوں وہی خوشی کا عالم رہا۔

اس کے بعد کچھ عرصہ تک خوب ربط ضبط بڑھا۔ نثار نے ظاہری پابندی سے کالج کے منتظم و ماسٹروں کو خوش رکھا اور واقع میں ایک حرف بھی اس زمانہ میں یاد نہ کیا ترقی بالکل رُک گئی۔

اُس عالی شان کوٹھی میں جہاں جاتے ہوئے اُسے جنات کا خوف رہتا تھا اسکی پروا نہ کر کے جان پر کھیل کر کبھی چلا ہی جاتا تھا۔

جمیل کو بھی جب موقع ملتا اِس پاکباز دوست سے ملنے میں دریغ نہ کرتی۔

ان دونوں نے اپنے پاک تعلقات کو چھپانیکی ہر چند کوشش کی اور عرصہ تک

حضرتِ مخفی کے سوا کوئی واقف بھی نہ تھا۔ لیکن تا بہ کے

ع   کہ عشق و مشک را نتواں نہفتن

اوّل ملازموں میں ان کے متعلق سرگوشیاں ہونے لگیں ملازموں سے غیروں تک بات پہنچی اندیشہ یہ تھا کہ جمیل کے باپ کو اگر کہیں اطلاع ہوگئی تو سارے ملازم کم بختی میں پکڑے جائیں گے۔

یہ کسے خبر تھی کہ اِن دو پاک دل انسان و پری میں کیسا بے لوث تعلق ہے اگرچہ عام طور پر اس خبر کی اشاعت ہو ئی تھی۔

لیکن جمیل کو یہ حال معلوم ہوا تو نثار سے ملتے ہوئے شرمانے لگی۔ اور کہا کہ ہم تمہاری وجہ سے بدنام ہوئے جاتے ہیں۔

نثار نے بہت کچھ سمجھایا اور ہاتھ جوڑ کر کہا کہ میری طرف سے اظہار ہوا تو جو سزا دیجئے بجا ہے ؎

گو حالِ دل چھپاتے ہیں پر اسکو کیا کریں
آتے ہیں خود بخود نظر اک مبتلا سے ہم

آپ کے ملازموں کی زبان کس سے پکڑی جاتی ہے۔ میں ہر چند اخفا میں کوشش کرتا ہوں مگر ان دیکھنے والوں کی آنکھوں کو کون بند کر سکتا ہے۔ اور آپ کے ملازموں کی زبان کون روک سکتا ہے ؎

کوئی میری برابر کیا کریگا ضبط اُلفت کو   نہیں آتا زباں پر میری حرفِ آرزو برسوں

اِس قدر تو ہے ترا پردہ نشین پاسِ حجاب
کہ ترے درد کو بھی دل میں چھپا رکھا ہے

چونکہ جمیلہ کے دل پر بھی نثار کی سچی محبت کا اثر تھا اس لئے اُس نے ترکِ تعلق گوارا نہ کیا۔ البتہ خوفِ رسوائی اس کو کسی قدر کشیدگی اور ترک ملاقات پر مجبور کرتا تھا۔ تاہم وہ نثار کی بہت سی عرض والتجا پر بہت دفعہ اپنے تختِ ہوائی پر سوار ہو کر ایسے وقت کہ عالم کی کی آنکھوں پر نیند کا پردہ پڑا ہوتا تھا نثار کے کلبۂ ویران کو رشک گلزار بنا جاتی اور اس کی دلداری میں کوشش کرتی اور اگر کبھی وعدہ وفا نہ ہوتا تو نثار کی جان پر بنجاتی، بیقرار ہوتا لوٹتا مگر کیا کرتا۔ ایک دفعہ ملاقات کو مدت گذر گئی۔ کوئی صورت ہی بن نہ پڑتی تھی بڑی تدبیروں سے صورت نکال کر نثار نے وعدہ لیا۔ تمام دن خوشی خوشی میں گذرا۔ جانتا تھا کہ بہت رات گذرنے کے بعد اُن کا نزول ہوتا ہے۔ مگر واہ رے شوق سرِ شام ہی تیار ہو کر انتظار کرنے لگا کچھ دیر تو انتظار کے مزے لوٹتا رہا۔ لیکن جب آدھی رات گذر چکی تو اس کا اضطراب حد سے بڑھ گیا۔ کبھی آسمان کی طرف دیکھتا کبھی راستوں کو جھانکتا ؎

شب وعدہ نہ ہوا ایک جگہ مجھ کو قرار
صبح تک میں کبھی گھر میں کبھی باہر آیا

دیگر
گہہ نظر جانب درگاہ نظر سوئے فلک
شب کو صدمے یہ رہے تا بہ سحر آنکھوں پر

مگر وہاں پتہ بھی نہیں۔ یا خدا کیا ہو گیا۔ دیکھئے آتے ہیں کہ نہیں کبھی دیواروں سے سر مار کر مر رہنے کا ارادہ کرتا ہے اور کہتا ہے ؎

مرنا شبِ فراق میں جینے سے خوب ہے
بہلے گا دل کہ زیرِ زمیں اور بھی تو ہیں

دیگر شب ہجراں سے موت بہتر ہے

خواب آرام سے تو آئے گا

مگر پھر اُمید کے سہارے سنبھل جاتا ہے کہ شاید اب آجائیں ے

وہ سادہ دل ہوں کہ ناوقت واپسیں مجھکو

جمی ہوئی ہے بت بے وفا کے آنے کی

کہیں پتہ کھڑکا یا جانور کے اڑنے کی آواز ہوئی اور یہ چونکا کہ تحنت آگیا اب اس طرح شکایت کروں گا اور عذر کراؤں گا ے

گذاری مین نے ساری رات، یہ کہکر وہ آب نے

ذرا اے چشم تر تھمنا ذرا اے دل جگر رہنا

مگر سب خیال بے سود، باہر نکلتا ہے اور ستاروں کو دیکھتا ہے کہ گویا کسی کے انتظار میں ایک جگہ جمے کھڑے ہیں ہلتے بھی تو نہیں گھڑی کی چال کو بھی آج ہی سست ہونا تھا، رات ہے کہ ختم ہی نہیں ہوتی، مسجد کے ملا کو سانپ سونگھ گیا یا کسی مردہ کی فاتحہ کا پلاؤ کھا کر غافل ہو گیا کہ خبرے ندارد - کم بخت مرغ کو بھی بلی کھا گئی - یا خدا کیسی رات ہے، مایوس ہو کر بیٹھ رہا اور کہنے لگا ے

وہ نہیں آتے نہ آئیں ہے اسی میں لطفِ زیست

دم دئے جائیں وہ جب تک دم ہمارے دم میں ہے

لطف جینے کا اگر ہے تو کسی کی یاد میں اور مزا مرنے کا گر ہے تو کسی کے غم میں ہے

دیگر شبِ غم بھی گذر ہی جائے گی

نہ رہے گا نہ ایک حال رہا

ہر شے کو فنا اور سب کی انتہا ہے۔ آخر لوٹتے پلٹتے صبح ہو گئی ؎

رہ گئی بات گھٹ گئی شبِ غم

تم نہ آئے تو کیا سحر نہ ہوئی

اپنا رنج و مصیبت تو جو کچھ تھا وہ اُس کی جان پر تھا۔ ایک نیا غم یہ تھا کہ معلوم نہیں کیا بات ہے وہ تو ایسی بے وفا نہیں کون جائے اور کو خبر لائے۔ کئی دن کے بعد خود ہی گیا جمیل نے دور ہی سے دیکھ کر ہنس دیا۔ اس ہنسی نے نثار کی ساری کلفتوں کی مکافات کردی۔ اب وعدہ خلافی کو پوچھے تو کس طرح اور کہے تو کیا کہے ؎

گلہ کیسا کہاں کا رنج کس کا جاں بلب ہونا

جب اُس نے پیار سے پوچھا تمہارا دم نکلتا ہے

اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے خود ہی جمیل نے کہا کہ اُس روز موقع نہ ملا فلاں فلاں آ گئے نثار نے اس عذر کو بھی غنیمت سمجھا۔

غمزدہ نے کہا کہ لو میاں حامد اب تو تم سو رہو اگر صبح کو ٹھیرے تو پھر سُن لینا ورنہ اس داستانِ غم سننے سے کیا فائدہ ہے۔ میرا رنج تازہ ہوتا ہے ؎

یوں میر تو غم اپنا برسوں کہا کریں گے

اب رات کم ہے سوؤ بس ہو چکی کہانی

حامد نے کہا کہ جب آپ نے اِس قدر تکلیف مجھ بے وطن کی خاطر گوارا فرمائی ہے تھوڑی سی اور بھی سہی براہ عنایت پوری بات سُنائیے ورنہ طبیعت کے بے چین رہے گی۔

تاروں کو دیکھا تو دو بجنے کو آئے تھے۔ فقیر سر کے نیچے ہاتھ رکھکر لیٹ گیا اور حامد کو کہا کہ لیٹ کر سنو۔ حامد ایک پرانی سی چادر سر کے نیچے رکھ کر لیٹ گیا اور

کہاکہ فرمائیے ۔درویش نے کہااس کے بعد بہت اصرار سے نثار نے پہلے وعدہ کی مکافات اور قدم رنجہ کرنے پر رضامند کیا اور پہلے اندیشہ کی وجہ سے بیسیوں دفعہ مجنونوں کی طرح دیکھنا یا در کھنا با در کھنا کہتا رہا ۔

ع محبت کیا بھلے چنگے کو دیوانہ بناتی ہے ؛

وطن واپس آکر آفتاب غروب ہونے سے ہی منتظر ہو کر بیٹھ گیا اور سمجھا کہ اُس روز کی وعدہ خلافی کا شکوہ مٹانے کو آج شاید معمول سے پہلے نزول ہو جائے ؎

تیرے وعدے کے جو ارمان کئے بیٹھے ہیں
تین دن پہلے سے سامان کئے بیٹھے ہیں

دن ختم ہوارات شروع ہوئی جوں جوں سیاہی بڑھتی جاتی ہے نثار کا دل ہاتھ سے نکلا جاتا ہے کہ دیکھئے آج توکہیں وہی مصیبت پیش نہیں آتی ؎

کر لیا وعدہ انہوں نے ہوگئی تدبیر وصل
اور اس پہ بھی اگر تقدیر الٹی ہو تو ہو

گھڑی بھر گذری دو گھڑی گذری ، اب نہ کھانیکا خیال ہے نہ پینے کا ، پڑے ہوئے آہ آہ کر کے کروٹیں بدل رہے ہیں ۔حامد نے کہاکہ اِن دنوں نماز بھی پڑھتے تھے کہ نہیں ۔ عزرہ نے چونک کر کہاکہ ہاں اتنا کچھ رنج و مصیبت اور پریشانی رہی لیکن ظاہری پابندی سے نثار نے نماز کبھی نہیں چھوڑی اگرچہ نماز تو اُس کو کیا کہہ سکتے ہیں جب دل ہی دوسری طرف پڑا ہوا تھا لیکن اپنے خدا کو پانچ وقت سجدہ کر کے فرض ادا کرتا رہا چنانچہ جس رات کا حال بیان کر رہا ہوں جلدی جلدی نماز پڑھی اور خوب رو رو کے دعا کی کہ اے واقفِ حالِ بیچارگاں آج تو کچھ رحم اس کے دل میں ڈالدے ۔آج اگر وعدہ وفا نہ ہوا تو میری

جانا مشکل ہوا اسی وجہ سے چند دفعہ نثار سے وعدہ خلافی بھی ہوئی - نثار کی قسمت سے ایک تیسرے ملازم آئے جن کا عجیب نام تھا - تمخور صاحب! یہ صرف کھانے پر پڑے رہے - تنخواہ بھی ندارد اور یہاں تک خیر خواہی جتائی اور اپنی باتوں سے اس واقعی پری کو شیشے میں اتار کہ قدیمی جان نثار سے بھی برہم کر دیا۔

غیر پہ لطف و کرم ہونے لگا
مہربانی کا مزا جاتا رہا

تھی تو آخر آتشیں مزاج - دو چار باتیں ایسی سنائی کہ نثار سے بالکل طبیعت برگشتہ ہو گئی۔

آخر وہاں رقیب نے نقشہ جما لیا
اے داغ خوف تھا اسی بدذات کا مجھے

اس کے وطن جانا تو بڑی بات ہے وہ غریب ملازموں اور پہرہ دار جنات سے بھی نظر بچا کر آیا بھی تو منہ نہ لگایا گویا کبھی ملاقات ہی نہ تھی - حیران تھا کہ یہ کیا اسرار ہے اس وقت تو ٹل گیا - لیکن دوسرے وقت موقع پاکر ایک اُڑتے ہوئے جن کے پروں میں رقعہ باندھ جو حسنِ اتفاق سے جمیل تک پہنچ گیا۔

عاقبت مکتوب مارا سوئے او پروانہ بُرد
طاقتِ سوزِ دلم بال و پر دیگر نوشت

نثار نے کچھ ایسے درد بھرے دل سے لکھا تھا کہ آنے پر مجبور کر دیا آج اسے اُمید بھی نہ تھی کہ تخت کی آواز نے چونکا دیا - دیکھتا ہے کہ معمول سے زیادہ شان و شوکت سے سواری آئی ہے - اس کی شومیٔ قسمت دیکھئے وہ آئیں تھیں دلداری کرنے اس نے جو غم کے جوش میں ابرو سیا اور ابرو سپا اور تمخور کی شکائتیں کی اور اپنا استحقاق جتلایا

جمیل کی طبیعت مکدر ہوگئی کہ اچھے آپ ملے مالک ہی بن بیٹھے کیا اپنے ملازموں سے بھی جدائی ہو سکتی ہے۔ آپ اپنے وطن میں خوش رہیئے۔ ہم اپنے مکان میں۔ یہاں کوئی کسی کا قیدی تو ہے نہیں ؎

بعد مدت اس طرف لایا تھا اسکو جذب عشق
شومئی قسمت نے آتے آتے برہم کر دیا

دیگر

یار نے ہم سے بے ادائی کی
وصل کی رات میں لڑائی کی

نثار نے ہر چند روکنا چاہا لیکن بس اتنا ہی کہکر یہ جا وہ جا دیکھتا رہ گیا ؎

ایک ہی شکوے میں سامان وصل کا برہم ہوا
کیا ہنسی میں رنج پھیلا کیا خوشی میں غم ہوا

باقی رات میں نیند تو نثار کو کیوں آتی خواب کے لئے یا بیداری کے صبح تک تڑپتا رہا نہ یار نہ مددگار، بیکسی اور مصیبت سر پہ سوار ؎

رہا نہ آہ زمانہ میں آشنا اپنا
بجز خدا کے نہیں کوئی ناخدا اپنا

نہ یہ اُمید کہ کسی کی سفارش سے مقصد بر آئے گا۔ یہ وہ حیرانی اور پریشانی تھی جس کو زبان سے کسی طرح ادا نہیں کیا جا سکتا کوئی ظاہری تدبیر خیال ہی میں نہ آئی تو اس مالک الملک کی درگاہ والا میں التجا کی کہ اے چارۂ بیچارگان و دستگیر درماندگان تو دانائے حال اور واقف راز دلی ہے۔ تیری جناب بے نیاز ہے۔ میں بھی تیرا بندہ ہوں گو سراسر گندہ ہوں میری مصیبت میں مدد کر۔ یہ مضطربانہ اور دل سے نکلی ہوئی دعا خالی نہ گئی ؎

پہنچی ہے ایک آن میں باب قبول تک
پھیلائے کیا دعا نے مرے ہاتھ بھر کے پاؤں

جمیل اپنی سختی پر پشیمان ہوئی - یہ غمزدہ صبح سے اپنی بیقراری میں منہ لپیٹے دنیا سے کنارہ کئے ہوئے پڑا تھا اور کہتا تھا ؎

اثر ہے جذبِ الفت میں تو کھینچ کر آہی جائیں گے
ہمیں پروا نہیں ہم سے اگر وہ تنکے بیٹھے ہیں

عزیز اور رشتہ دار جو دیکھتے بیماری کا شبہ کرتے اور جب کچھ جواب نہ ملتا پوچھ کر چلے جاتے۔ اسی طرح رات ہو گئی - اس کو نہ دن ہونے کی خبر ہوئی نہ رات ہونے کی ؎

آنکھیں جنہوں کی زلف رخ یار سے لگیں
وہ دیکھتے نہیں سحر و شام کی طرف

تین گھنٹہ رات گذری ہوگی کہ ایک غیر معمولی تیز روشنی نے اس کے منہ سے کپڑا کھلوا دیا دیکھتا ہے کہ وہ گوشۂ تنہائی جس میں آج چراغ بھی نہ تھا کسی آفتاب طلعت کے نور سے جگمگا رہا ہے اُٹھ بیٹھا سر قدموں پر رکھ دیا جمیل نے اپنے نازک ہاتھوں سے سر اٹھا یا گذشتہ شب کی معافی چاہ کر بار بار نثار کو شرمندہ کیا ؎

گور پہ میری پس از مردن قدم رنجہ کیا
خاک میں مجھ کو ملا کر مہرباں بارے ہوئے

اور پھر وہی رابطہ محبت قائم ہو گیا بلکہ اُس سے بھی زیادہ مضبوط! انہیں ایام میں جمیلہ کے مکان پر ایک بڑا مجمع اور جلسہ ہونے والا تھا - دور دور کے لوگ جمیل کے باپ سے تعلق رکھنے والے تھے مدعو کئے گئے اور خود جمیل کے باپ منیر الملک کے آنے کی

بھی خبر تھی مگر وہ امورِ مملکت کی وجہ سے نہ آسکے بہت عرصہ پہلے سے اس مجمع کا سامان شروع ہوا مکانات وباغات میں صفائی اور فرش وفروش اور روشنی کا شاہانہ انتظام ہوا۔ بڑے بڑے مشہور جنات کھانے کے انتظام کے لئے بلائے گئے تاریخ معینہ پر سب لوگ جمع ہوئے نثار بھی بلائے گئے ؎

ہم اُس کی بزم ناز میں اس طرح سے گئے
گویا فقیر دیکھنے دربارِ شہ گیا

جلسہ خیر وخوبی سے ختم ہوا ان کو جمیلہ نے اپنے ہاتھ سے انواع واقسام کے نہایت مکلّف شربت اور فواکہات کھلائے، وہاں سے رخصت ہونا ضروری تھا مگر وطن پہنچنے میں بڑی دقتیں اُٹھائیں (غمزدہ کہتا ہے) اے حامد اسی طرح صدہا واقعات گذرے رات بھی ختم ہونے آئی - آخر انجام وہی ہوا جو دنیا کی تمام چیزوں کا ہوتا ہے

جو کچھ نظر پڑے ہے حقیقت میں کچھ نہیں
عالم ہیں خوب دیکھو تو عالم ہے خواب کا

صبح کا وقت ہے مؤذنوں کی آوازیں لا الہ الا اللہ پر ختم ہو کر بتلا رہی ہیں کہ دنیا کی تمام مسرتیں خواب وخیال سے زیادہ نہیں سب فانی ہیں باقی رہنے والی وہی ذات ہے، تخت ہوائی کے اُترنیکی آواز ہوئی جمیل سامنے کھڑی ہیں سفری لباس زیب بدن ہے داہنی طرف تلوار لٹک رہی ہے اور کہتی ہیں آپ کو معلوم ہے کہ نیر الملک جمیل کے والد کے کیسے تاکیدی حکم اور قاصد پر قاصد آرہے تھے۔ چند دفعہ ارادہ کر کے ملتوی کردیا لیکن اسوقت مجبور اً جاتے ہیں۔

نثار حیران رہ گیا اور کہا کہ مجھے بھی ہمراہ لے چلو۔ جمیل نے کہا یہ کسی طرح مناسب

نہیں خیر باہم ایک دوسرے کو فراموش نہ کریں گے ۔ معمول سے بہت بڑھ کر وعدے ہوئے نثار کا صبر و قرار اڑ اگیا جمیل نے رخصت میں جلدی کی نثار گلے لگ کر رونے لگا ۔

وہ قیامت کی گھڑی وہ موت کا ہے سامنا
جب کوئی معشوق سے مل کر جدا ہونے لگا

کہا اب چھوڑیئے خدا حافظ ۔ یہ کہکر بجلی کی طرح چمک کر آنکھوں سے اوجھل ہو گئی ۔ قلق و اضطراب حد سے بڑھا ہوا تھا دل بیقرار ہو رہا تھا ۔ بے چین ہو کر آنکھ کھل گئی تو وہی پرانا بستر اور ٹوٹی ہوئی چارپائی ہے ۔ وہی ویران مکان اور کلبۂ احزان ، نہ پری کا پتہ ہے ، نہ تخت کا نشان البتہ دل پہلو میں نہیں اور جگر میں کسی تیز نگاہ کے زخم یا رِ غم کی خلش باقی ہے ۔

عیش دنیا را بقائے نیست دیدی غنچہ را
یک تبسم کرد و عمرے در پریشانی گذشت

یہاں تک حال کہکر فقیر ایسی بے صبری سے رویا کہ حامد کا بھی دل بھر آیا دونوں اُٹھ بیٹھے حامد نے کہا کہ واقعی دنیا کا سارا سامان ایک خواب ہے جس نے اس کی حقیقت پر غور کیا اُس نے اُس کا خیال ہی دل سے نکال ڈالا اور اُسی واجب الوجود اور ذاتِ باقی میں اپنی ہستی کو فنا کر دیا ۔

میں رہوں باقی نہ میری آرزو
تو ہی تو باقی رہے بس تو ہی تو

میاں حامد اس کے بعد نثار مدتوں مجنوں رہے ۔

اندوہ غم کے جوش سے دل رک کے خوں ہوا
جس دن گئے یہاں سے وہ مجھ کو جنوں ہوا

کالج سے نہایت افسوس کے ساتھ نام خارج کر دیا گیا۔ سب کو رحم آنے لگا مگر علاج کوئی کیا کرتا حال ہی کسی کو معلوم نہ تھا۔ تڑپتے تھے کیا کرتے خط کسے لکھیں پیام کہاں بھیجیں۔ نہ جگہ معلوم نہ مقام بیداری میں تو کسے اُمید تھی برس گذر گئے۔ خواب میں ملاقات نہ ہوئی۔ یہ حال کہ ؎

چناں در کوئے او بستند راہِ آمد و شد را

غبارے بر لمی خیزد نہ گاہے بادمی آید

کئی برس گذرنے کے بعد ایک صاحبِ کشف و کرامات باکمال اور روشن دل ولی نے دستگیری فرمائی اور کہا کہ اُس ویرانہ مقام کے پہاڑوں میں جاکر رہو فلاں فلاں عمل کرو اُمید ہے کہ ولی مراد پاؤ۔ اپنی پڑی کو ساری تکلیفیں سر رکھی تمام دنیا سے منہ موڑا اور اس ویران پہاڑ میں آپڑا جہاں جنات کا ڈر، درندوں کا خوف اور ہر طرح کے اندیشے ہیں۔ مگر آرزوئے ملاقات نے سارے غم بھلا رکھے ہیں۔

رازقِ مطلق کے خزانہ غیب سے وہ کھانا ملتا ہے جس کو تم دیکھ چکے ہو دلی کامل کے ارشاد اور اعمال کی برکت سے نہ کسی جن سے ایذا پہنچتی ہے نہ شیطان سے حامد نے کہا کہ پھر ملاقات ہوئی یا نہیں۔ غمزدہ نثار نے کہا کہ اے حامد آج بہت سے وظیفے قضا ہو گئے، اب صبح کی اذان ہوا چاہتی ہے۔ اگر کبھی پھر تیرا گذر ہوا تو ملاقات کے قصے بیان کر کے اپنا رنج تازہ کروں گا ؎

موقوف غم میر کہ شب ہو چکی ہمدم

بس اور کسی روز یہ افسانہ کہیں گے

جب سے یہاں رہ کر مرشد کی ہدایت پر عمل کرنا شروع کیا ہے تین چار دفعہ اُسی کے

خاص تخت ہوائی پر سوار کر کے صدہا جنات کی حراست میں اُس کے عجیب و غریب مقام اور شہر میں بلایا گیا ہوں اور حد سے زیادہ تعظیم و تواضع ہوئی ملنے کے وعدے اور اظہارِ محبت کیا گیا مگر انجام سب کا وہی ہوا جو تمام عالم کا ہوتا ہے ؎

جام تھا، ساقی تھا، مئے تھی اور وہ میخانہ تھا
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سُنا افسانہ تھا

درویش نے قصہ ختم کر کے لیٹنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ اُسی پُر درد آواز سے اذان ہوئی نماز پڑھنے کے بعد حامد نے کہا کہ اب اس نیاز مند کو رخصت کیجئے اور پھر کبھی ملنے کی تدبیر بتلا کر اجازت دیجئے غرض وہ درویش (یعنی نثار نے) ایک مختصر سی دعا بتا دی کہ اس کو پڑھ کر آنکھ بند کرنا اپنے آپ کو یہیں پاؤ گے۔ مگر جلدی جلدی میرے پاس نہ آنا۔ اللہ حافظ۔ اب آنکھ بند کر و۔

حامد نے سلام کر کے آنکھ بند کی۔ آنکھ کھول کر دیکھتا ہے کہ سبزہ پر لیٹا ہوا ہے اس کے دونوں ساتھی بھی ابھی آنکھیں ملتے ہوئے اُٹھ بیٹھے ہیں۔ نہ درویش نہ فقیر نہ درویش نہ فقیر نہ وہ جنگل نہ وہ پہاڑ ؎

ہم نفس زندگانی دُنیا
ہست خوابے و یا خیالے چند
نیست حاصل از و جز ایں دو سہ چیز
رنج دور و سر و ہ بلے چند

کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ

تمت